نگارشات متعلق عزائے حسینؑ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

(۱) عزاداری

''عزا'' کے معنی لغت عرب میں صبر کے ہیں اور تعزیت کے معنی میں صبر دلانا اور اسی بنا پر پرسا دینے کو اور تسلی اور دلا سے کے الفاظ صرف کرنے کو تعزیت کہا جاتا ہے۔

مگر اصطلاحی طور پر جس طرح اکثر چیزوں کے معنی اصل کی مناسبت سے کسی خاص مفہوم میں محدود ہو جاتے ہیں اسی طور پر ''عزاداری'' کی لفظ مخصوص ہوگئی ہے ان مظاہرات غم کے ساتھ جو حضرت امام حسینؑ کی یاد میں قائم کئے جاتے ہیں۔

''عزاداری'' کی لفظ ''تعزیہ داری'' سے ذرا عام ہے۔ تعزیہ تو مخصوص ایک چیز ہے ان مظاہرات غم میں سے لیکن عزاداری میں مجلس، ماتم اور جس طرح سے اظہار غم ہو وہ سب داخل ہے۔

دنیا میں ہمیشہ سے قاعدہ یہ ہے کہ جو فریق فاتح ہوتا ہے وہ اپنی جنگ اور اس کے نتیجہ کا بڑے پیمانہ پر اعلان کرتا ہے اور مختلف صورتوں سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ واقعۂ کربلا کے بعد ایک عرصہ تک ایسا ہی ہوا اور جو ظاہری طور سے فاتح تھا یعنی یزید اور اس کے ہواخواہ۔ انہوں نے بخیال خود اپنی فتح کے اعلان کی کوشش کیں۔ اور اس کے اظہار کی مختلف صورتیں اختیار کیں مگر تھوڑے عرصہ کے بعد نتیجہ برعکس ہوگیا اب جو اعلان کر رہا تھا اس کی طرف سے کوشش اخفا کی ہوگئی اور دوسرا فریق جو ان کے خیال کے مطابق مغلوب تھا اس کی طرف سے مختلف صورتیں اعلان اور اشاعت کی اختیار کی گئیں اور پھر یہ سلسلہ اس وقت سے اب تک جاری ہے۔ یہ لوگ برابر اشاعت کی کوشش کرتے رہے اور اس کے خلاف اکثر اوقات ایسی کوشش ہوتی رہی کہ اس اشاعت کو صدمہ پہنچایا جائے اور اس اعلان و اظہار کو روکا جائے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے خود امام حسینؑ نے جو صورتیں اختیار فرمائیں وہ پہلے ہی سے اپنے مقصد اور اپنے نتیجہ کی اشاعت کی ذمہ دار تھیں۔ آپ کی مدینہ سے مکہ کی طرف اور پھر مکہ سے ہجرت اور خاص موقع حج پر روانگی اور پھر عراق کی طرف تشریف لانا اور اہل حرم کا ساتھ لانا۔ یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جن کے ذریعہ سے گویا امام حسینؑ نے خود اس سلسلۂ اعلان و اظہار کو جاری کر دیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ یہ علم اگر آج ہم اٹھاتے ہیں تو حضرت امام حسینؑ نے خود ایسا موقع دیا تھا کہ نیزوں پر سروں کے بلند کرنے سے ان کی مظلومی کا علم خود دشمنوں کے ہاتھوں اٹھے۔

دشمن جس کو اپنی فتح سمجھ رہے تھے وہ امام حسینؑ کے مقصد کی اشاعت تھی اور اس کے لئے خود امام حسینؑ نے سامان کیا تھا اور اس کے اسباب فراہم کئے تھے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک معمولی انسان جو کوئی کام انجام دے ایسا کہ اس کا نام زبانوں پر آنے لگے اور لوگ اس کو پہچاننے لگیں تو اس کے خلاف مختلف صورتوں سے غلط بیانات اور الزامات کی اشاعت ہوتی ہے۔ یہ معمولی انسانوں کے لئے ہوتا ہے جس کے ہاتھوں کسی کے تخت و تاج کو خطرہ نہیں، کسی کے کسی بڑے مقصد کو نقصان نہیں پہنچتا۔ چہ جائیکہ امام حسینؑ جو سلطنت بنی امیہ کے تخت کو، کچھ خاص افراد کے تخت سلطنت کو

نہیں بلکہ اس پوری نسل، پوری قوم بلکہ اس پورے نظریے کے تخت سلطنت کو الٹنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور محسوس ہو رہا تھا کہ آپ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ حکومت وقت کی مشینری کتنی تیزی کے ساتھ متحرک ہونا چاہئے تھی، اس کے خلاف مختلف غلط باتیں عائد کرنے کے لئے جو آپ کے مقصد کی پامالی کی باعث ہوں مگر حضرت امام حسینؑ نے اپنے زمانۂ حیات سے اپنے مقصد کی اشاعت کو اتنا مکمل کر دیا تھا اور واقعہ کربلا میں خود ایسے اسباب اپنے ساتھ فراہم کر دیے تھے جن کی وجہ سے دشمن کی زبان بند ہوگئی اور کچھ بن ہی نہ پڑا کہ کیا بہانہ کیا جائے جو امام حسینؑ کے قتل کا جواز پیدا کر سکے۔ کوئی بہتان دشمنوں سے ممکن ہی نہ ہوا کہ وہ امام حسینؑ کی طرف منسوب کر سکیں حالانکہ جناب رسالتمآبؐ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے خود فرمایا۔ کثرت علی القالة فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار ۔(یعنی) میری طرف غلط اقوال کی نسبت دینے والے بہت ہو گئے ہیں تو جو شخص میری طرف کسی امر کی جھوٹ نسبت دے گا وہ اپنی جگہ آتش جہنم میں سمجھ لے۔ دوسرے معصومینؑ کو بھی اس طرح کے بہت سے امور سے سابقہ پڑا، چنانچہ ابن ابی الخطاب نے اصحاب امامؑ میں داخل ہو کر بہت سی غلط چیزیں امامؑ کی طرف منسوب کر دیں اور اس شخص پر حضرت کو لعنت کرنی پڑی۔ پھر جب ائمہ معصومینؑ اور خود جناب رسالتمآبؐ کو اس طرح کی غلط بیانی سے سابقہ پڑا تھا تو ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ اسی سلسلہ کی ایک فرد تھے اور اتنے بڑے اہم کام کے لئے کھڑے ہوئے تھے تو بھلا دشمن کب چوک سکتا تھا کہ آپ کی طرف غلط امور کی نسبت دیتا جن سے آپ کی حقانیت مشتبہ ہو جاتی۔

ایک ذرا سی گنجائش ملی تھی اقوال کے گھوڑے دوڑانے کی اور وہ اس وقت کہ جب آپ نے تنہائی میں عمر سعد سے گفتگو فرمائی ہے۔ تو یہ بات بنا ڈالی کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو میں براہ راست اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔ یہ بات بنائی گئی تھی جس کی رد عقبہ بن سمعان نے جو واقعۂ کربلا کے بعد بحیثیت چشم دید گواہ کے باقی رہ گئے تھے کی اور کہا کہ میں ہر وقت کی گفتگو کو معلوم کرتا تھا۔ کبھی حضرت امام حسینؑ نے اپنی زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔

بہر حال یہ تو اس سے ثابت ہو گیا کہ ایک ذرا سا موقع بھی دشمن کو ملا تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا نظر انداز نہیں کیا۔ کوئی ایسا موقع دشمن ہرگز نہیں چھوڑ سکتا تھا جس سے امام حسینؑ کے مقصد کو نقصان پہنچ جائے لیکن امام حسینؑ کی حقانیت اور آپ کا تدبر وہ تھا کہ آپ نے ایسی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی۔

آپ سمجھتے تھے کہ یہ فیصلہ کن جنگ ہے حق اور باطل کی۔ اس سے پہلے اگر رسولؐ کے کسی حکم کو مشتبہ کر دیا گیا تو وہ پھر بھی جزئی حیثیت رکھتا تھا لیکن ایک ایسی فیصلہ کن جنگ حق و باطل کی جس کی مثال نہ اس سے پہلے کبھی آئی تھی اور نہ اس کے بعد آنے والی تھی یہاں اگر کوئی اس طرح کا شبہ پیدا کر دیا جاتا تو مقصد ہی اس جہاد کا ختم ہو جاتا۔ اس لئے حضرت امام حسینؑ نے انتہائی کوشش کی اس بات کی کہ کوئی اس قسم کی صورت پیدا نہ ہونے پائے اور آپ کی مظلومی اور دشمن کا ظلم نمایاں رہے۔

فتح کا نشہ سمجھیئے یا سیاست کی غلطی کہ اس کے بعد ایک عرصہ تک دشمن بھی مقصد حسینؑ کا مددگار بن گیا یعنی وہ تمام مظالم کی اشاعت اور فتح کے مظاہرے میں دشمن کے اعلانات سب امام حسینؑ کے مقصد کی تکمیل کر رہے تھے۔ یہی نہیں بہت سے صوبے مملکت اسلامیہ کے جن کو اہل بیت سے بے خبر رکھا گیا تھا اور اس کے لئے بہت کچھ کوشش کی گئی تھی وہ اپنے ہی ہاتھ سے باخبر کئے گئے۔ دمشق میں اہل بیت رسولؐ سے ناواقفیت کی انتہا یہ تھی کہ ایک مرتبہ جب مسجد جامع میں وہ بدترین رسم ادا کی جا رہی تھی جس کو نماز جمعہ کے بعد خطبہ کا ایک جزو بنا لیا گیا تھا یعنی جناب امیر المومنینؑ کی شان میں کلمات نازیبا کا استعمال، تو ایک شخص نے اپنے پاس کے بیٹھنے والے نمازی سے پوچھا کہ یہ کون

ابوتراب ؑ ہیں جن کے متعلق یہ الفاظ زبان پر جاری کئے جاتے ہیں؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم یہ کون شخص ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ عرب کے ڈاکوؤں میں سے کوئی ہوگا۔

یہ انتہا تھی ناواقفیت کی۔ اسی طرح ایک شخص سے شامیوں میں سے جناب فاطمہؑ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے ایک عجیب وغریب شجرہ بیان کیا۔ باپ کو شوہر۔ شوہر کو باپ اور بیٹی کو زوجہ، یہ تھا اس بارے میں اس کا مبلغ علم۔ غرض کہ کبھی ان کے سامنے حقیقت پیش ہی نہیں ہوئی۔ بہت سے لوگوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ بنی امیہ وارث جائز پیغمبرؐ کے ہیں اور ان کے سوا انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ہے۔

جن لوگوں کو یہاں تک بے خبر رکھا گیا تھا، اب انہیں فتح کے اعلان کے واسطے خود باخبر بنایا گیا اور جو حکومت ان افراد کے نام تک پر پردہ ڈال رہی تھی، اس نے ان کے مقدس اشخاص تک کی زیارت کرادی۔ وہ کٹے ہوئے سر اور لٹے ہوئے قیدی سہی پھر بھی جلال وعظمت کے آثار چھپے تھوڑی رہ سکتے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں یہ بھی بتلا دیا، اور خود ہی یہ بھی دکھلا دیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور پھر ان میں سے جو زندہ اشخاص تھے ان کا بھی تعارف خود کرادیا اور یہ خود ان کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز ہوسکتی تھی یعنی اگر فقط سرہائے شہداء کو بھیج دیا گیا ہوتا تو لوگوں کو صرف افسوس ہو کر رہ جاتا مگر یہ کہ پیغمبرؐ کی جو یادگاریں اب تک باقی تھیں اور جن کی طرف جاذبیت قلوب کے مواقع حاصل تھے ان کو قید وبند میں سہی، طوق وزنجیر میں سہی، لیکن ناواقف دنیا کے سامنے پیش کردیا گیا اور ان کی فصاحت وبلاغت کے جوہر کھلنے کا موقع دیا گیا۔ یہ خوشی نہ سہی، مگر حالات ایسے پیدا کئے کہ وہ مخفی جواہر جنہیں پوشیدہ رکھا جارہا تھا انہیں ایک مرتبہ دنیا کے سامنے نمایاں ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ چاہے جناب زینب ؑ کبریٰ کا خطبہ ہو، چاہے جناب ام کلثومؑ کا خطبہ ہو اور چاہے جناب امام زین العابدینؑ کا خطبہ ہو، تمام اس قسم کے بیانات تھے جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ کو ہٹا رہے تھے اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ ایک انسان اگر کسی بات سے بے خبر رکھا گیا ہو اور ایک دم سے باخبر ہو تو اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اللہ رے مکاری، اتنی مدت سے ہم کو ان واقعات سے ناواقف رکھا گیا۔ اور اب ہم کو بتلایا جارہا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ تھوڑے عرصہ میں حکومت وقت کو یہ احساس شروع ہوگیا کہ ہماری اس طرح کی کوششیں ہمارے مقصد کے لئے تباہ کن ہیں اور ہم نے جو کیا اپنی قبر اپنے ہاتھ سے کھودی۔

اب کوششیں شروع ہوئیں چھپانے کی اور مظالم پر پردہ ڈالنے کی۔ اظہار رنج وتاسف اسی پردہ داری کے لئے تھا۔ ابن مرجانہ کو برا کہنا اور اپنی ذمہ داری کو اس کے سر عائد کرنا اسی پردہ داری کے لئے تھا جس سے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، آج تک ہواخواہان بنی امیہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

یزید کے یہ اقوال پیش کئے جاتے ہیں کہ خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر، میں ہوتا اس موقع پر تو ایسا نہ کرتا۔ یہ چیزیں پیش کی جاتی ہیں کہ اس نے اپنا گھر خالی کردیا اور اس کی عورتیں گریہ وبکاء میں شریک ہوئیں۔ مگر یہ سب باتیں بعد کی ہیں، جس وقت سے احساس شکست شروع ہوا اسی وقت سے ان سب باتوں کی ابتداء ہوئی اور آج تک جاری ہے اس لئے کہ فتح کا تخیل تھوڑے عرصہ کے لئے تھا اور احساس شکست دائمی ہے یعنی صرف چند دنوں کے لئے وہ سمجھے کہ ہم جیت گئے اور اس کے بعد مستقل طور سے یہ احساس قائم ہوگیا کہ ہم ہارے اور ایسا ہارے کہ جس کے بعد جیتنا ممکن نہیں۔ اب صورت یہی ہوسکتی تھی کہ جو کچھ ہوا اس کو چھپانے کی کوشش کی جائے اور جو سچے مسلمان تھے جن کو ان ظالموں سے نفرت تھی ان کو کد پیدا ہوگئی کہ نہیں ہم ان مظالم کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کریں گے اور ان کی یاد کو ہمیشہ قائم رکھیں گے یہ ہے عزاداری کی ابتداء۔

حقیقت میں واقعۂ کربلا کی یاد قائم رکھنے کے اسباب کا فراہم کرنا ہے جس کا نام اصطلاحی طور پر ''عزاداری'' رکھ لیا گیا

ہے۔ اس کی صورتیں مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں مختلف شکلوں میں تبدیل ہوتی رہیں اور مختلف لباس پہنتی رہیں، لیکن روح اور حقیقت اور جوہر سب کا ایک تھا۔

مخالفین کی طرف سے کچھ عرصہ تک یہ کوشش جاری رہی کہ اس یاد کو بھلا دیا جائے۔ جب اس میں ناکامی محسوس ہوئی تو یہ ترکیب کی گئی کہ اس یاد کے مقابلہ میں اور دوسری یادیں لائی جائیں تاکہ یہ مل کر دوسری چیزوں کے ساتھ بے اثر بن جائے یہ ہوتا رہا بہت مدت تک، جب اس میں بھی ناکامی ہوئی اور واقعہ کربلا کے خصوصیات امتیازی ایسے ثابت ہوئے کہ اس کی یادگار جتنی تھی اس سے آگے بڑھتی گئی اور اس کے مقابلہ میں جو چیزیں قائم ہوئیں وہ وقتی ثابت ہوئیں اور پھر بعد میں فنا ہوگئیں۔ تو اس کے بعد یہ تدبیر شروع ہوئی کہ جس چیز کو غیر فطری لباس پہنایا جائے وہ فنا ہوجائے گی اس لئے واقعۂ کربلا کی یاد قائم کی جائے مگر صورت میں تبدیلی کردی جائے یعنی بجائے مظاہرۂ غم کے مظاہرۂ خوشی کیا جائے۔ اس کے لئے تاویلیں تراشی گئیں اور دلائل بنائے گئے۔ مثلاً کہا گیا کہ شہادت سے بڑھ کر رفیع درجہ کیا ہوگا۔ حضرت امام حسینؑ کو شہادت کا درجہ حاصل ہوا تو اس پر اظہار مسرت ہونا چاہیئے۔ اظہار غم نہ ہونا چاہیئے۔ یہ کہا گیا کہ روئیں وہ جو ممات شہداء کے قائل ہوں، اور جب شہداء کو زندۂ جاوید سمجھا جاتا ہے تو پھر ان پر ماتم کی کیا ضرورت ہے۔

حقیقت میں مقصد وہی تھا کہ یاد فراموش ہو، لیکن چونکہ براہ راست اس سعی میں ناکامیابی ہوچکی تھی لہٰذا اب یہ صورت اختیار کی گئی، یہ سمجھتے ہوئے کہ غم کا مظاہرہ اس موقع پر فطری ہے اور خوشی کا مظاہرہ غیر فطری ہے، دوسری طرف مظاہرہ غم میں جاذبیت زیادہ ہوتی ہے مظاہرۂ مسرت میں وہ کشش نہیں ہوتی اس لئے یہ کوشش کی گئی کہ غم کی جگہ خوشی لے لے۔ چنانچہ سلطنتوں نے یہ کوشش کی یوم عاشورہ کو عید منائی جائے اور مدتوں اس پر عمل کیا گیا، یہ چیز اپنی اصلی شکل میں تو کامیاب نہیں ہوئی مگر اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ ہندوستان کے اکثر مقامات پر جا کر دیکھئے تو آپ کو ان مظاہرات مسرت میں سے بہت سی چیزیں مخلوط ملیں گی ان مظاہرات غم کے ساتھ جنھیں سچے مسلمان ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں عشرۂ محرم میں آتش بازی چھڑائی جاتی ہے۔ ریچھ اور شیر کی کھال اوڑھ کر مختلف سوانگ بنائے جاتے ہیں۔ بانک پٹے کے کرتب دکھائے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں جزو عزاداری خیال کی جاتی ہیں۔ جب میں نے غور کیا تو ان چیزوں کا تعلق مظاہرۂ غم کے ساتھ سمجھ میں نہ آیا۔

مزید غور کرنے پر اس کا سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ **الناس علی دین ملوکھم** لوگ بادشاہوں کے راستے پر چلتے ہیں۔ سلطنتیں دو قسم کی تھیں۔ ایک وہ جنھوں نے مظاہرہ غم کیا، دوسرے وہ جنھوں نے مظاہرہ سرور کیا۔ مسلمانوں نے اصل محرکات پر غور کئے بغیر تقلیدی طور پر کچھ وہ مراسم لے لئے کچھ یہ مراسم لے لئے نتیجہ یہ ہوا کہ غم کے مظاہرات کے ساتھ ساتھ بہت سے سرور کے مظاہرات شریک ہو گئے اور یہ سب جزو عزاداری قرار دے دیئے گئے۔

وہ مسلمان جو امام حسینؑ کا احترام کرتے ہیں اور حضرت کے حادثہ شہادت کو واقعی قابل رنج و غم چیز سمجھتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو عزاداری کا صحیح مفہوم سمجھائیں اور توجہ دلائیں کہ تم جو امام حسینؑ کی عزاداری کرتے ہو تو کیوں ایسی صورتیں اختیار کرتے ہو جن سے مقصد عزا فوت ہوجائے۔ بہت ممکن ہے کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ سمجھایا جائے تو اس کا اثر ہو اور وہی صورتیں اختیار کی جائیں جو کسی مصیبت پر اظہار رنج کے لئے مناسب ہیں۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ صفر المظفر ۱۳۶۴ھ/جنوری ۱۹۴۵ء

(۲) عزائے مظلوم

دسویں محرم ۶۱ھ میں زمین کربلا پر کون سا عظیم واقعہ ہوگیا جو اب تک چشم عالم خوں ریز ہے، نینوا کی گرم زمین پر کس مظلوم کا خون بہایا گیا جس کا آج تک ماتم ہے۔ مسلمان جانتے

ہیں کہ وہ رسولؐ کا نواسہ، فاطمہ زہراؑ کی گود کا پالا، امیرالمومنینؑ کا جگر گوشہ تھا، جس کا خون مدعیان اسلام ہی کے ہاتھوں تین دن کی بھوک پیاس میں حصۂ تیر و نیزہ و شمشیر ہوگیا۔ یہ سانحہ کوئی معمولی نہ تھا عالم نے اس واقعہ کی عظمت کا کتنا اثر لیا۔ تاریخیں بتائیں گی اور مسلم الثبوت علمائے اسلام کے اقوال اس کی تصریح کریں گے۔ ابن حجر مشہور عالم اہلسنت شرح قصیدہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں۔

ممّا ظهر يوم قتله من الايات انّ السّماء مطرت دما وانّ اوانيهم ملئت دما وانّ السّماء اشتدّت سوادها لانكساف الشّمس حينئذ حتى رأيت النجوم واشتدّ الظّلام حتى ظنّ النّاس انّ القيٰمة قد قامت وانّ الكواكب ضربت بعضها بعضاً وانّه لم يرفع حجر الاّ يرىٰ تحته دم عبيط وانّ الورس انقلبت رمادا وانّ الدنيا اظلمت ثلاثه ايام ثم ظهرت الحمرة وقيل احمرّت ستّة اشهر ثم لا زالت الحمرة ترىٰ بعد ذلك۔

روزِ قتل حسینؑ جو علامات ظاہر ہوئے ان میں سے یہ تھا کہ آسمان نے اشک خونیں برسائے اور ظروف خون سے مملو ہوگئے۔ اور آفتاب کو گہن لگنے سے آسمان اتنی شدت سے تاریک ہوا کہ ستارے دکھائی دینے لگے اور سیاہی اتنی بڑھی کہ لوگوں نے خیال کیا کہ قیامت آگئی اور تارے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اور جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ ابلتا دکھائی دیتا تھا اور دنیا تین دن تک تاریک رہی پھر سرخی ظاہر ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ چھ مہینہ تک دنیا سرخ رہی اور اس کے بعد بھی بالکل اثر سرخی کا زائل نہ ہوا، اب تک شفق اسی سرخی کا پتہ دیتی ہے۔

پھر ایسے اہم واقعہ سے جس پر جمادات وغیر ذوی العقول نے خون کے آنسو بہائے ذوی العقول کو کتنا اثر لینا چاہئے رسولؐ کے کلمہ گویوں کو رسولؐ کے نواسہ کے قتل سے کتنا متاثر ہونا چاہئے، یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ اس قابل نہیں ہے کہ کوئی عاقل اس کا انکار کرے۔ یہ وہ غم تھا جس نے آسمان کے دل کو خون کر دیا، پھر ہم اگر اس غم میں آنسو بہائیں تو کون سا گناہ ہے؟ افسوس ہے کہ ہم تعزیہ داری کرتے ہیں، حسینؑ مظلوم کا ماتم کرتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں مگر کچھ لوگ ہم پر ہنستے ہیں، ان افعال کو حرام بتلاتے ہیں اور روکتے ہیں۔ لہٰذا ہم عزائے مظلوم کی حمایت میں ایک مفید تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کے بعد کوئی شبہہ نہ رہے گا کہ کربلا میں مارا جانے والا مظلوم اِسی کا مستحق تھا کہ اُس پر اِس عنوان سے گریہ وزاری کی جائے جس طرح ہم کرتے ہیں۔

یہ وہ مظلوم تھا جس کے اوپر رسالتمآبؐ قبل وقوع واقعہ شہادت کے روئے، چنانچہ جناب غوث اعظم عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے۔

عن ام سلمة انّها قالت كان رسول الله فى منزلى اذ دخل الحسين فطالعتهما من الباب واذا الحسين على صدر النبى وانه يلعب وفى يد رسول الله قطعة من طين ودموعه تجرى فلما خرج الحسين دخلت وقلت بابى وامى يا رسول الله طالعتك وفى يدك طينة وانت تبكى قال لما فرحت به وهو على صدرى يلعب اتانى جبرئيل ونا ولنى الطينة التى يقتل عليها فلذالك بكيت۔

ام سلمہؓ ناقل ہیں کہ رسالتمآبؐ میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ناگاہ امام حسینؑ داخل ہوئے، میں نے ان دونوں بزرگوں کو دیکھنا شروع کیا کہ حسینؑ سینۂ رسولؐ پر کھیل رہے ہیں اور رسالتمآبؐ کے ہاتھ میں کچھ مٹی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جب حسینؑ چلے گئے تو میں نے رسالتمآبؐ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں کچھ خاک تھی اور آپ رو رہے تھے۔ فرمایا کہ ہاں جب حسینؑ کے سینہ پر کھیلنے سے مجھ کو مسرت ہوئی تو جبرئیل آئے اور مجھ کو وہ

مٹی دی جس پر حسینؑ قتل کیا جائے گا اسی وجہ سے میں رویا۔

اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے بھی گریہ فرمایا ہے

ابنِ حجر نے **صواعق محرقہ** میں لکھا ہے کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کربلا کی طرف سے صفین جاتے وقت گذرے اور ٹھہر گئے، پھر پوچھا کہ اس زمین کا کیا نام ہے؟ کسی نے کہا کربلا۔ یہ سنا تھا کہ اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی اور فرمایا کہ ایک دن میں خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا، ایسی حالت میں کہ وہ جنابؐ رو رہے تھے، میں نے سبب گریہ پوچھا، فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس جبرئیل آئے تھے، وہ مجھے بتلا گئے ہیں کہ میرا فرزند حسینؑ شط فرات کے کنارے ایک ایسی زمین پر قتل ہوگا جس کا نام کربلا ہے۔ پھر جبرئیلؑ نے ایک مٹھی خاک کی اٹھائی اور مجھے سنگھائی، بس مجھے دل پر قابو نہ رہا اور رونے لگا۔ **ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنتہ** جب رسالتمآبؐ اس واقعۂ جانسوز پر قبل وقوع روئے تو ہمارا رونا بعد وقوع واقعہ کیوں کر نامناسب ہوسکتا ہے؟ اور پھر جبکہ رسالتمآبؐ نے حث وترغیب بھی کی ہے اور اس ماتم کو موجب ثواب بھی بتلایا ہے امام احمد بن حنبل اپنے مسند میں روایت کرتے ہیں۔

عن النبی صلعم من دمعت عیناہ بقتل الحسین دمعۃ اوقطرت قطرہ بوأۃ اللہ الجنۃ۔

رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نکلے قتل حسینؑ کی وجہ سے یا ایک قطرہ بھی اشک کا ٹپک جائے تو خداوندعالم اس کو جنت میں جگہ دے گا۔

معلوم ہوا کہ امام حسینؑ پر رونا باعث دخول جنت ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ گریہ وزاری کرنا سید الشہداء کے غم میں عبادت ہے۔ اس کے علاوہ سر برہنہ ہونا اور بال بکھرانا اور پریشان ہونا، یہ بھی رسالتمآبؐ کے فعل سے ثابت ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے۔

ان ام سلمۃ رأت النبی باکیاً وبراسہ ولحیتہ التراب فسألتہ فقال قتل الحسین انفاً وکذ رأہ ابن عباس نصف النہار اشعث اغبر وبیدہ قارورۃ فیہا دم یلتقطہ فسألہ فقال دم الحسین واصحابہ لم ازل ابتعہ منذالیوم فنظر وافوجدوا قد قتل فی ذلک الیوم۔

ام سلمہؓ نے رسالتمآبؐ کو خواب میں دیکھا کہ رو رہے ہیں، اور آپ کے سر وریش پر خاک ہے۔ ام سلمہؓ نے سبب پوچھا، فرمایا: ابھی ابھی حسینؑ قتل ہوئے ہیں اور اسی طرح ابن عباس نے دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا کہ آپ ژولیدہ مو گرد آلود ہیں اور ہاتھ میں ایک شیشہ ہے، جس میں خون تازہ ہے ابن عباس نے حالت دریافت کی۔ فرمایا یہ خون حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کا ہے۔ میں آج اسی کے جمع کرنے میں مشغول تھا۔ لوگوں نے بعد کو غور کیا تو وہی دن قتل امام حسینؑ کا تھا۔

اب رہا یہ امر کہ شیعہ تعزیہ وعلم اور ذوالجناح وغیرہ دیگر شبیہیں مرتب کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں، اس کے متعلق ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں بدعت ہیں بایں معنی کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں ان کا پتہ نہ تھا لہٰذا ان کا بنانا جائز نہ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ بتصریح علمائے اہل سنت بدعت واجب ومستحب ومباح بھی ہوتی ہے، لہٰذا بدعت ہونے سے یہ افعال واجب الترک نہیں ہوسکتے صاحب بحر المذاہب نے لکھا ہے۔

قال الشیخ الامام الملقب بسلطان العلماء ابو محمد عبدالعزیز فی اٰخر کتاب القواعد البدعۃ منقسمۃ الی واجبۃ ومحرمۃ ومندوبۃ و مکروھۃ ومباحۃ والطریق فی ذلک ان یعرض البدعۃ علی قواعد الشرع فان دخلت فی قواعد الایجاب فھی واجبۃ وفی قواعد التحریم فحرمۃ اوفی النّار فمندوبۃ او الکراھۃ فمکروھۃ اوالاباحۃ فمباحۃ۔

حاصل یہ ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں، واجب اور حرام اور مندوب اور مکروہ اور مباح اور ضابطہ اس کا یہ ہے کہ

بدعت کو قواعد شرع کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ اگر وہ قواعد وجوب میں داخل ہوجائے تو واجب اور اگر قواعد تحریم آئے تو حرام اور ندب میں آئے تو مندوب اور کراہت میں آئے تو مکروہ اور اباحت میں آئے تو مباح ہے۔ پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں بدعت واجب کی مثال علم نحو کا سیکھنا، کیونکہ یہ مقدمہ فہم کلام اللہ وحدیث ہے کہ جو واجب ہے اور مقدمہ واجب واجب ہوتا ہے اور اسی طرح علم اصول فقہ اور بدعت محرم کی مثال مذاہب قدریہ وجبریہ ومرجبہ ہیں اور بدعت واجب ان مذاہب کی رد ہے اور بدعت مندوب مدرسوں کا بنوانا، اور ہر وہ امر خیر جو زمانہ رسولؐ میں جاری نہ تھا اور اسی میں داخل ہے۔ تراویح اور دقائق تصوف میں کلام اور محافل کا جمع کرنا مناظرہ کے لئے، اور بدعت مکروہ کی بھی بہت سی مثالیں ہیں: مسجدوں میں نقش ونگار بنانا وغیرہ اور بدعت مباح کی مثالیں بھی بہت ہیں جیسے بعد صبح وعصر مصافحہ کرنا اور لذائذ میں وسعت دینا۔

یہ تھا ملخص عبارت بحر المذاہب جب مدرسہ وخانقاہ کا بنانا باوجود بدعت ہونے کے مستحب ہوا اور نماز تراویح بدعت ہونے پر بھی عبادت ہوئی تو تعزیہ وضریح کا بنانا بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز کیوں ہوجائے گا۔ اور یہ کہنا کہ تعزیہ وضریح کا بنانا عمل صور مجسمہ میں داخل ہے کہ جو حرام ہے کئی وجہوں سے مقدوح ہے۔

پہلے یہ کہ ذات الاروح چیزوں کی تصویر بنانا حرام ہے نہ یہ کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔

عن ابن عباس جاء ہ رجل فقال انی اصور ھذہ الصور فافتنی فیھا فقال لہ ادن منی فدنامنہ ثم قال ادن منی فدنامنہ حتی وضع یدہ علی راسہ وقال انبئك بما سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سمعت رسول اللہ یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا تعذبہ فی جھنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا نفس لہ۔

ابن عباس کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تصویریں بناتا ہوں، اس کے متعلق فتوی دیجئے۔ ابن عباس نے اس کو اپنے قریب بلا کر کہا کہ میں نے رسالتمآبؐ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہر مصور آتش جہنم میں ہوگا اور ہر صورت کے عوض اس کے لئے ایک نفس قرار دیا جائے گا جو اس پر جہنم میں عذاب کرے پھر ابن عباس نے کہا کہ اگر تجھ کو تصویر بنانا ہی ہے تو درخت کی اور بے جان چیزوں کی تصویریں بنایا کر۔ معلوم ہوا کہ غیر جاندار چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ تعزیہ وضریح تصویر وشبیہ قبر امام حسینؑ کی ہوتی ہے: نہ کسی جاندار شئے کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تصویر قبر کی بنانا ناجائز ہوتی تو کتب معتبرہ حضرات اہلسنت میں تصویر قبور برکت کے لئے کیوں بنی ہوئی ہوتی؟ حالانکہ دلائل الخیرات میں روضۂ جناب رسالتمآب وحضرات شیخین کی تصویر موجود ہے اور اس کے نیچے لکھا ہے ھذہ صفۃ الروضۃ المبارکۃ التی دفن فیھا رسول اللہ وصاحباہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما، روضۃ النبی صلعم ھکذا شارح دلائل الخیرات نے اس کے تحت میں لکھا ہے۔

تنبیہ: در ذکر شکل قبور شریفہ در این جا فائدہ آنست کہ زیارت بکند این مثال را کسے کہ قدرت نیافتہ است بزیارت عین روضۂ مقدسہ ومشاھدہ بکند این شکل مبارك را محب ومشتاق و بوسہ زند برآن از غایت محبت وبیفزاید شوق خود را واکثر بزرگان برائے این شکل مبارك خواص وبرکات بسیار ذکر کردہ اند ویتحر بہ آوردہ اند۔

معلوم ہوا کہ جو شخص اس ضریح کی زیارت نہ کر سکے جس کے اندر اصل قبر رسالتمآب ہے تو اس کی تصویر کی زیارت کرنا باعث اجر وفائدہ ہے پھر جو شخص زیارت قبر امام حسینؑ کا مشتاق ہو وہ اگر شبیہ روضۂ مطہرہ بنا کے گریہ وزاری کرے تو کیا گناہ

ہے۔ اور روضة الاحباب میں نعل جناب رسالتمآبؐ کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ ”از جملہ انچہ مجرب شدہ از برکات تمثال این نعل شریف آنست کہ ہر کس کہ آن را باخود دارد اورا درمیان خلق قبولے تمام باشد والبتہ پیغمبر را زیارت کند یا آن حضرت را درخواب بہ بیند و من رأہ فقد رأہ حقاً واین تمثال شریف درہر لشکرے کہ باشد نگریزند و ہزیمت نیابند از لشکر دشمن و عاقبت بر دشمن ظفر و نصرت یابند و در ہر قافلہ کہ باشد غارت نیابند و درہر کشتی کہ باشد غرق نشود و درہر متاعی کہ بود دزدان بر آن دست نیابند و توسل نجویند بصاحب آن در ہیچ حادث و ہیچ واقعہ و در ہیچ حاجتے الا آنکہ گذاردہ شود و توسل نجویند در ہیچ ضیقے بآن الا آنکہ فرج حاصل شود بحرمت رسول و تیمناً و تبرکا صورت آن تمثال بدین کتاب کشیدہ تا ہر جاجتمندے کہ حاجت جوید حاصل گردد وآن صورت اینست۔“ اور کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

یاطالبا تمثال نعل نبینا
ھاقد وجدت الی اللقاء سبیلا
فاجعله فوق الرّأس واخضع واعتقد
وتفال فیه و اوله التقبیلا
من یدحی الحسب الصحیح فانه
یبدی علی ماید حیه دلیلا

پھر جب تصویر نعل رسولؐ کی تعظیم کے اوپر ان اشعار میں ترغیب دی گئی ہے تو تصویر قبر جگر گوشۂ رسولؐ کے قابل تعظیم ہونے میں کیا کلام ہے۔

تیسرے یہ کہ کتب حضرات اہلسنت سے تو تصویر ذی روح کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ ام المومنین کا فعل اس کا مثبت ہے جمیع بین الصحیحین میں ہے۔

عن عائشة قالت کنت العب بالبنات عند النبیؐ وکانت لی صواحب یلعبن معی وکان رسول الله صلعم اذا دخل ینقمعن منه فیشیر الیهن فیلعبن معی۔

حضرت عائشہ ناقل ہیں کہ میں رسالتمآبؐ کے سامنے گڑیوں سے کھیلتی تھی اور میری کچھ سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور رسالتمآبؐ جب گھر میں آتے تھے تو وہ جھجک جاتی تھیں تو رسالتمآبؐ ان کو اشارہ کرتے تھے پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔

اور جامع الاصول میں سنن ابوداؤد سے نقل ہے۔

عن عائشة قالت قدم رسول الله عن غزوة تبوك او حنین وفی شنو نها ستر فهب ریح فکشف ناحیة الستر عن بنات عائشة فقال ماهذا یا عائشة قالت بناتی ورای منهن فرساله جناحان من رقاع فقال ما هذا الذی اریٰ وسطهن قال فرس قال ماهذا الذی علیه قالت جناحان قال فرس له جناحان قالت اماسمعت انّ لسلیمان خیلالها اجنحة قالت فضحك حتی رایت نواجذه۔

رسالتمآبؐ غزوہ تبوک یا حنین سے پلٹے اور عائشہ کے گھر میں ایک پردہ آویزاں تھا دفعتہً ہوا چلی اور پردہ اڑا، رسولؐ کی نظر عائشہ کی گڑیوں پر پڑگئی۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ عائشہ نے کہا: میری گڑیاں ہیں اور رسالتمآبؐ نے انہیں گڑیوں میں ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر تھے، فرمایا: ان کے بیچ میں کیا ہے؟ عائشہ نے کہا: گھوڑا ہے، پوچھا یہ اس کے اوپر کیا چیز ہے؟ عرض کیا: پر ہیں، رسولؐ نے کہا: گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں؟ تو عائشہ نے جواب دیا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تھے؟ یہ سننا تھا کہ رسالتمآبؐ ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے۔

اس روایت سے شبیہ ذوالجناح کے اوپر بہت زائد روشنی پڑتی ہے، اب رہ گئی یہ بحث کہ اچھا تعزیہ وضریح کا بنانا جائز سہی

مگر تعزیہ وضریح کی تعظیم کرنا، اس کو بوسہ دینا اس سے اظہار خلوص کرنا، کہاں تک درست ہے تو اس کے متعلق اتنا کافی ہے کہ جب اس کو نقل ضریح حسینؑ مان لیا تو یہی نسبت اس کے قابل تعظیم بنا دینے میں کافی ہے حدیث رسولؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل قبر والدین قابل تعظیم وتقبیل ہے پھر نقل قبر امام حسینؑ کیوں کر قابل تعظیم نہ ہوگی؟ چنانچہ کفایۂ شعبی اور فتاوائے غرائب وفتاوائے عالمگیری ومطالب المومنین وخزانته الروایه میں موجود ہے۔

لاباس بتقبیل قبر والدیہ لانّ رجلا جاء الی النبی صلعم فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة وجبهة حور العین فامر ان یقبل رجل الام وجبهة الاب قال یارسول اللہ ان لم یکن ابوای حیین فقال قبل قبرهما قال فان لم یکن اعرف قبرهما قال خط حظین انواحد هما قبر الام والاخر قبر الاب فقبلهما فلا تحنث فی یمنیك۔

محصل یہ ہے کہ ایک شخص رسالتمآبؐ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ دروازۂ جنت کی چوکھٹ اور پیشانی حورالعین پر بوسہ دوں گا۔ آپ نے حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی پر بوسہ دے لے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میرے ابوین زندہ نہ ہوں؟ فرمایا: قبر کا دونوں کی بوسہ لے لے، اس نے کہا: اگر قبر معلوم نہ ہو فرمایا دو خط کھینچ ایک کو قصد کرلے کہ ماں کی قبر ہے اور ایک کو قصد کر کہ باپ کی قبر ہے اور ان دونوں کا بوسہ دے لے ایسا نہ ہو کہ تیری قسم رہ جائے اور ادا نہ ہو۔

سبحان اللہ والدین کی قبر کی نقل تو صرف ان کی طرف انتساب سے قابل بوسہ ہوجائے اور امام کی نقل قبر قابل تعظیم نہ ہو۔ "ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا" اس بیان سے بحمد اللہ اس کا ثبوت اچھی طرح ہوگیا کہ تعزیہ وضریح کا بنانا اور ان کی تعظیم کرنا یقینا قابل منع نہیں ہے، اسی وجہ سے منصف مزاج علمائے اہل سنت نے تعزیہ وضریح کو قابل تعظیم بتلایا ہے اور ان افعال کو جائز کہا ہے۔ دو تین عبارتیں اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول بالکل تعصب پر مبنی ہے۔ مولوی سلامت علی بنارسی تبصرہ میں فرماتے ہیں "شک نیست کہ امام باڑہ و نقل تربت شریف بعد مرتب شدن واجب التعظیم است" اور مولوی عبدالواحد نبیرۂ بحرالعلوم مولوی عبدالعلی رسالۂ ازالۃ الاوہام میں تحریر کرتے ہیں کہ "در عہد صحابۂ وتابعین کتاب اللہ غیر معرب وبعدہ معرب شدہ اجماع امت بر آن شد وبتواتر رسید وہمچنان جمع کردن احادیث وتفسیر وفقہیات وچہار مصلے خانۂ کعبہ وتالیف صرف ونحو وغیر ہا واختراع مجالس ذکر میلاد شریف نبوی صلعم بتواتر رسیدہ واجماع برآن گردید ہمچنان مراسم تعزیہ داری جناب امام حسینؑ از صدہا سال جاری ومروج است ودر زمان سلاطین اسلام ومتشرعین مانند جلال الدین اکبر وجہانگیر وشاہجہان وعالمگیر اورنگ زیب وغیرہم کہ در تمامی ملک خود نافذ الامر کلی بودند مراسم تعزیہ داری بوجہ احسن بتقدیم میر سید ونواب سعداللہ خان وزیر اعظم شاہجہان عالم متبحر وقاضی القضاۃ مستعد خان کلان وقاضی القضاۃ مستعد خان خورد کہ ہر یک حنفی المذہب بودند ودیگر علمائے آن زمان اگر مراسم مذکورہ را خلاف شرع میپند اشتند بحضور سلاطین معروض ساختہ در تمامی ملک موقوف می گردانید ند کہ درسرکار بادشاہان اختیار کلی داشتند وبادشاہان ہم متشرع بودند ویا بادشاہان مذکورین کہ متشرع بودند بذات خودہا در تمامی ملک تحت حکومت خودہا موقوف می کردند دوران عہد عموماً وخصوصاً مروج بود تا حال جاری است وانشاء اللہ تعالیٰ تاقیامت جاری

خواہد ماند وکسے از عوام وخواص زمان تاحال انحراف ازان نکردہ در این صورت ترویج آن باجماع امت نبی ثابت گشت و بتواتر رسید وبمفاد حدیث شریف لن تجتمع امتی علی الضلالۃ ہرچہ ایشان برآن اجماع کنند واتفاق نمایند سراسر حق بود پس درین عصر اگر کسے انکار نماید واین مراسم را خلاف شرع ومکروہ داند خلاف اجماع امت وانکار از تواتر است واین معنی بموجب اصول فقه نہایت ممنوع ۔ اور ایک اور جگہ اسی رسالہ میں رقمطراز ہیں ''واین جانب از ثقات شنیدہ که حضرت مولانا نظام الدین محمد قدس سرہ وبچشم خود دیدہ که حضرت مولانا عبدالعلی محمد قدس سرہ ومولوی مجیدالدین محمد عرف مولوی مدّن مرحوم ومولوی انوارالحق ومولوی نورالحق قدس سرهما ودیگر علمائے فرنگی محل وکلکته ومندراج وغیرہ از بلا دہر گاہ تعزیہ شریف امام مظلوم علیه السلام می دیدند استادہ می شدند وہر دو دست بطرف تعزیہ شریف دراز کردہ از بسیار خضوع وخشوع وعجز وانکسار فاتحه می خواندند وعندالاستفسار می فرمودند که تعظیم وفاتحه امام مظلوم است زیرا که تعزیہ شریف موسوم بنام نامی امام مظلوم است۔'' اسی طرح ملا عبدالجلیل رازی نے جو بنا بر تصریح بعض اکابر افاضل اہلسنت سے تھے اپنی کتاب نقض الفضائح میں اس مطلب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے جن کی عبارت بخوف طول ترک کی جاتی ہے۔ ان عبارتوں سے علمائے اہلسنت کی آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ تعزیہ داری کا روکنا صرف تعصب کا نتیجہ ہے۔

یہ تمام مباحث تفصیل سے جناب سلطان العلماء رضوانمآب طاب ثراہ نے صمصام میں تحریر فرمائے ہیں۔

ناچیز علی نقی نقوی

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ محرم ۱۳۴۴ھ/اگست ۱۹۲۵ء)

(۳) عزائے حسینؑ کی اہمیت

شیعیت، اسلام، مذہب اور انسانیت کے نقطۂ نظر سے

غور کیجئے اور ان خطرناک راہوں کا مطالعہ کیجئے جن سے شیعیت گذری ہے اور گذر کر اس منزل تک پہنچی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت سیدالشہداء کی عزاداری، یہی ایک وہ بڑی چیز تھی جس نے فرقہ شیعہ کو دنیا کے تباہ کن اور انتہائی خطرناک ماحول سے گذار کر نہ صرف زندہ بلکہ ترقی پذیر صورت کے اس درجہ تک پہنچا دیا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ ائمہ معصومینؑ کی سیاست الٰہیہ کا غیر فانی کارنامہ ہے جو غم سید الشہداءؑ کو اتنی اہمیت دے کر شیعیت کو حیات جاوید عطا کردی۔

(۱) آپ دیکھئے تو وہ زمانہ جس وقت نشر شیعیت ممکن نہ تھا، جس وقت ہم حق کی آواز بلند نہ کر سکتے تھے، جس وقت خاندان اہلبیتؑ کے افراد کا نام لینا جرم، جس وقت علی ابن ابی طالبؑ سے نقل حدیث کرنا گناہ تھا، اس وقت کیا ممکن تھا کہ ائمہ اہلبیتؑ کا کوئی نام لیوا بھی دنیا میں باقی رہے یا شیعیت کا خیال بھی کہیں قائم رہ سکتا تھا۔ مگر وہ صحیح نباض، فطرتِ بشری کے تھے۔ انہوں نے وہ چیز ڈھونڈھی جو ہزار مذہبی تعصب کے پردوں میں بھی فطرتِ انسانی کو متاثر بنا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غم سے متاثر ہونا کسی شخصیت اور کسی شخص کی اہمیت پر موقوف نہیں ہے، یعنی فرض کیجئے کہ آپ کو اس شخص سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آپ اس شخص کو پہنچانتے بھی نہیں کہ کون ہے لیکن اگر کچھ دلدوز واقعات کا اس کے ساتھ تعلق ہے تو وہ ان ہی واقعات کی بنا پر آپ سے روشناس ہوجائے گا۔

اس کا ثبوت میں آپ کی فطرت کے حوالہ سے دے سکتا ہوں خصوصاً ہمارے آج کل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اکثر

اس کے محسوس کرنے کا اتفاق ہوتا ہوگا۔ جھوٹے ناول، غلط افسانے جن کے متعلق آپ کو یقین ہے کہ لکھنے والے نے کسی حقیقی واقعہ پر اس کی بنیاد نہیں رکھی ہے اور کسی سچے انسان کا اس میں تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف تمثیل اور خیال ہے، یہ آپ طے کر کے اپنے مقام پر اس کتاب کو پڑھئے۔ ظاہر ہے کہ یہاں شخصیت کوئی ہے ہی نہیں جس کا اثر دل پر پڑے گا۔ مگر پھر بھی اگر کچھ ایسے مناظر پیش کردیئے گئے ہیں جو دلدوز اور اندوہناک ہیں تو پڑھنے والا متاثر ہوتا ہے اور کبھی کبھی ایسا متاثر کہ اس کا بات کرنے، کھانا کھانے اور ہنسنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ کیا ہے؟ دل میں انسان سمجھ رہا ہے کہ کسی شخص سے متعلق نہیں اور اس کی کوئی اصلیت نہیں مگر مصیبت وہ چیز ہے کہ اس کا غیر واقعی خیال اور غلط تصور بھی انسان کو اتنا متاثر کرسکتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی مسرتوں کو بھول جائے اور اس غم کو یاد رکھے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔

یا کسی شاعر کا دردناک شعر جس میں کسی خاص دلدوز کیفیت کا مرقع کھینچا گیا ہو، اہل درد ایسے شعر پر سر دھنتے ہیں اور سننے والے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ درد مصیبت کا تخیل بھی کسی نہ کسی حد تک درد مصیبت کا حامل ہے۔

حسینؑ کی شخصیت میں ان تمام خیالی مصائب نے واقعیت کی شکل اختیار کرلی۔ ان مصائب کا تذکرہ کوئی ایسا انسان سنے جو حسینؑ کو نہ جانتا ہو، کوئی ایسا شخص سنے جو رسولؐ سے واقف نہ ہو یا حسینؑ کا رشتۂ رسولؐ نہ جانتا ہو، بلکہ واقعہ کربلا کو آپ پیش کیجئے، بالکل مبہم طور پر، نکال دیجئے حسینؑ کا نام، نہ کہیئے رسولؐ کا فرزند، بس فقط واقعات کو بیان کیجئے، تو ضرور سننے والوں کو ہمدردی پیدا ہوگی اور ان کے دل پر اثر پڑے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ واقعات کس ہستی سے تعلق رکھتے ہیں؟ اس کی جستجو پیدا ہوگی اور جب یہ معلوم ہو کہ یہ اپنے زمانہ میں ایک عظیم المرتبہ انسان تھا تو وہ اس کے حقیقی درجہ اور عظمت کی تحقیق کرے گا اور حقیقت کے نقطہ نظر سے قریب آئے گا۔

(۲)

یہ ملت اسلامیہ کی بدقسمتی ہے کہ مظلوم کربلا کی ہستی کو ایک فرقہ وارانہ حیثیت دے دی گئی ہے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت امام حسینؑ نے یہ تمام مصائب کس لئے برداشت کئے؟ دین اسلامی کے خاطر، تو پھر کیا یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے؟

مظلومیت کی وہ کشش ہوتی ہے کہ جن اقوام و مذاہب کے یہاں اس جنس کی قحط ہے وہ کوشش کرکے اپنے یہاں مظلوم تراشتے ہیں اور ان کی یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ دیکھئے عیسائیوں کے یہاں مسیحؑ کی مظلومیت کی خودساختہ حکایات اور ان کی نشر و اشاعت کی کوششیں۔

پھر کیا مسلمانوں کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے حقیقی مظلوم کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس کی مظلومیت کی لازوال یادگاریں قائم کریں۔

(۳)

اب میں اپنے الفاظ میں زیادہ وسعت پیدا کرتا ہوں۔ حسینؑ کی شخصیت صرف اسلام سے ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس وقت مذہب اسلام اور لامذہبیت کی جنگ جو برپا ہے اس میں اہل مذہب کو اپنے مشترک نقطہ کی حمایت میں اس واقعہ کربلا سے بہتر کوئی گواہی نہیں مل سکتی۔

یہ کہہ دینا کہ مذہب ایک ''خیال'' ہے، یہ کہہ دینا کہ مذہب کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے، یہ کہنا کہ مذہب موہومہ روایات کا نام ہے، یہ سب غلط ثابت ہوتا ہے کربلا کے جنگل میں۔ بھلا خیال میں یہ طاقت کہاں کہ وہ حیات کا مقابلہ کرسکے۔ کچھ تو ہے ان دیکھے خدا کے ماننے والوں کے دل میں حقیقت کا جوہر، تیس ہزار کا لشکر ایک طرف اور وہ ایک خدا کا بندہ انتہائی مختصر جماعت کے ساتھ ایک طرف، بلکہ ایک وہ وقت بھی آتا ہے جب کہ مظلوم بالکل ہی یکہ و تنہا کھڑا ہوا ہے مگر اس تیس ہزار کے لشکر کی ہیبت اس کو متاثر نہیں بناتی۔ کیا مذہب کی اس طاقت کا مظاہرہ واقعہ کربلا سے بہتر کبھی ہوا ہے۔

(۴)

اس مظاہرے کے لئے انتظامات بھی سید الشہدؑاء نے بے نظیر کئے تھے۔ دنیا کے قائدین کوشش کرتے ہیں کہ جوش انگیز تقریروں سے، پر اثر الفاظ سے، ان لوگوں میں کہ جن میں ہمدردی نہیں ہے اپنے ساتھ ہمدردی پیدا کریں اور اپنے معاونین کی تعداد بڑھائیں، مگر حسینؑ کا طرزِ عمل بالکل اس سے مختلف تھا وہ کوشش کر کے اپنے ساتھ والوں کو بھی الگ کر رہے تھے۔ کربلا کے راستے میں کوشش کی، شب عاشور کوشش کی کہ جو لوگ جانا چاہیں وہ چلے جائیں۔ یہ کیا بات تھی؟ صرف یہ کہ قیامت تک کے لئے وہ حق و باطل کا ایک نقشہ پیش کر رہے تھے۔ انہیں یہ منظور نہ تھا کہ حق کے دامن پر کوئی دھبہ رہ جائے۔ اگر کسی ایک فرد میں بھی کمزوری رہ جاتی تو حق خالص حق نہ رہتا۔ اس لئے حسینؑ نے کربلا کے خون میں مرقع کو بالکل خالص نکھرا ہوا صاف رکھنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس طرح کہ مجمع کو چھانٹ دیا، صرف چنے ہوئے منتخب لوگوں کو اپنے ساتھ رکھا۔ پھر قوت انتخاب اور مردم شناسی دیکھئے، مدینے میں بنی ہاشم کا دائرہ کتنا وسیع تھا مگر مجھے نہیں معلوم کہ اولاد ابوطالبؑ کے سوا کسی کو اپنے ساتھ لیا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں بھی سب پر اعتماد نہیں تھا اور بہت سے اپنوں کو بھی جدا کر دیا تھا۔ مگر جو جدا تھے انہیں خط لکھ کر کربلا بلا لیا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر انسان کی فطرت شناسی کیا ہو سکتی ہے۔

اب کوئی دیکھے کہ جن لوگوں کو امام کی نقاد فطرت نگاہ نے منتخب کیا تھا ان میں سے کسی کی نگاہ میں چوک تو ثابت نہیں ہوئی؟ تاریخی اوراق میں ان کے حالات سامنے ہیں، اتنی ہم آہنگ جماعت، یک رنگ جماعت، یک دل اور ہم دست جماعت، دنیا کے پردہ پر دکھلائی ہی نہیں دی، میں سچ کہتا ہوں کہ مخالفت درکنار ان لوگوں میں کسی ایک موقع پر اختلاف رائے تک نظر نہیں آتا۔ کچھ نہ سہی یہی ہوتا کہ کسی وقت امام روکتے، ابھی جنگ شروع نہ ہو اور اصحاب مصر ہوتے کہ نہیں اب حملہ کر دیجئے۔ آپ رسولؐ کی لڑائیوں میں دیکھ لیجئے۔ ان مواقع کا ذکر نہیں جہاں لوگ ساتھ چھوڑ کر چلے ہی گئے نہیں ایسے مواقع بھی ہیں کہ رسولؐ کی رائے ہے کہ جنگ مدینہ میں رہ کر کی جائے مگر لوگ کہتے ہیں نہیں مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کیجئے؟ یہ تو عموماً فطرت کا تقاضا ہے کہ دس آدمی بھی ایک جگہ جمع ہوں تو کسی کی رائے کچھ ہوگی، کسی کی کچھ۔ مگر کربلا کی تاریخ میں مجھ کو تو یہی نظر آتا ہے کہ حسینؑ دل کی حیثیت رکھتے ہیں اور تمام اصحابؓ وانصارؓ، اعزاؑ واقاربؑ اعضاء وجوارح بنے ہوئے ہیں۔ وہاں اختلاف رائے کا نشان تک نظر نہیں آتا بلکہ منشائے امامؑ کے سامنے کسی کی رائے کچھ محسوس ہی نہیں ہوتی۔ انہوں نے بتلا دیا کہ ایک قائد، رہنما اور سردار کی متابعت کے کیا معنی ہیں اور ایک امامؑ کی پیروی کس طرح ہوتی ہے؟

(۵)

عالم انسانیت کے لئے کربلا کے واقعہ میں سبق ہیں۔

متحدہ انسانیت کے پرخچے اڑتے ہیں خود غرضی، جانبداری، اختلاف اور باہمی کش مکش سے۔ کربلا والے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں میں حالت یہ نظر آتی ہے کہ ایک دوسرے سے پہلے جان دینے میں سبقت کر رہا تھا۔ ہر ایک اپنے سب سے زیادہ قریب عزیز کو دوسرے سے پہلے میدان شہادت میں بھیجنے پر تیار تھا۔ حسینؑ کی آواز، حسینؑ کا نظریہ سب کا نظریہ تھا، وہاں اختلاف کا نام ونشان نہ تھا اور سب ایک مقصد کی طرف، ایک علم کے نیچے، ایک ولولہ، ایک عزم ایک صدا اور ایک آہنگ کے ساتھ جا رہے تھے۔

دنیائے انسانیت سے کہو کہ زندگی کی شاہراہ پر حسینیت کے سائے میں آگے بڑھے تو بنی نوع انسان کی باہمی کش مکش ختم ہو جائے اور دنیا ایک نقطہ پر مجتمع نظر آجائے۔

ہندوستان سے کہو کہ آزادی کی جنگ میں کربلا والوں کے نقش قدم سے روشنی حاصل کرے تو پارٹی بندی، خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے اور ملک متحدہ طور پر منزل آزادی سے دوچار ہو جائے۔

مسلمانوں سے کہو کہ جہد للبقاء کے لئے حسینؑ کے دامن

سے تمسک کریں تو اقوام عالم میں ان کی ہستی پائدار بنے گی اور ان کی کشتی نجات کے ساحل پر پہنچ جائے گی۔

شیعوں سے کہو کہ تم سچے معنی میں حسینی بنو، حسینؑ کی عزاداری رسم کے طور پر انجام دینے کے ساتھ حسینؑ اور انصار حسینؑ کے حالات سے سبق حاصل کرو تو تمہارا موجودہ انتشار و افتراق دور ہوجائے اور تم کسی ایک سچے رہنما کی سرپرستی میں اپنے قومی حقوق حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۲۸۸ رمحرم ۹۷ ۱۳ھ

(۴) عزائے حسینؑ کا نفسیاتی اثر

مظلوم سے ہمدردی اور ظلم سے نفرت

انسانیت کی بناء ہمدردی پر ہے اور یہی تعاون باہمی کا سرچشمہ ہے۔ اسلام نے اس کی خاص طور پر تعلیم دی ہے۔ اور روسائے مذہب نے اس کی اہمیت ذہن نشین کی ہے۔ فرائض انسانی کے دو شعبے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس۔ ان میں حقوق الناس کی اہمیت نظرِ خالق میں خود اس کے حقوق سے زیادہ ہے۔ چنانچہ وہ اکثر اپنے حقوق سے بر بنائے تفضّل درگذر کر دیتا ہے۔ اور حقوق الناس کو نظرانداز نہیں کرتا۔ عبادت کے مفہوم کو وہ غلط سمجھے ہیں جو اسے نماز و روزہ، ریاضت جسمانی اور عزلت گزینی میں مضمر قرار دیتے ہیں۔ اور مراقبہ و تفکر کو اپنے کمالِ نفس کی منزل بنا بیٹھتے ہیں۔

اسلام میں مقررہ عبادات کے واجبی فرائض کو انجام دینے کے ساتھ ابنائے ملت کی خدمت کرنا، اپنے بنی نوع کے کام آنا، دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا اور دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب محرابِ عبادت میں مشغولِ ذکر و ریاضت رہنے سے بہتر ہے، چنانچہ سچے مذہبی رہنما اپنے تعلیمات کے ذریعہ سے ان کی اہمیت کو واضح کرتے رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو ابان بن تغلبؓ کی روایت، ان کا بیان ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ طواف میں مشغول تھا، ایک شخص میرے دوستوں میں سے آیا اور اس نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اس کی اس ضرورت کے سلسلے میں اس کے ساتھ جاؤں۔

صورتِ حال بتاتی ہے کہ جناب ابان نے اپنے طواف میں مصروفیت کا عذر کیا اور وہ ناامید ہوکر واپس ہوا۔ جس پر امامؑ نے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا؟ ابان نے عرض کی کہ شیعیانِ اہل بیت ہی میں سے یہ ایک آدمی تھا جو چاہتا تھا کہ میں اس کے ایک کام کے لئے اس کے ساتھ جاؤں۔ حضرت نے فرمایا۔ یا ابان **اقطع طوافك وانطلق معه فی حاجته فاقضها له،** ''اے ابان! طواف قطع کردو اور اس کے ساتھ جا کر اس کا کام کردو''

ابان نے حضرت سے اپنے طواف کے ناتمام چھوٹنے کا عذر کیا تو آپ نے فرمایا۔ **احص ماطفت وانطلق معه فی حاجته** جتنا طواف کر چکے ہو اس کو یاد رکھو اور اس کی ضرورت کے لئے چلے جاؤ'' ابان کہتے ہیں، میں نے عرض کیا۔ **وان کان طواف فریضة** اگرچہ طواف واجب ہو تب بھی اسے قطع کردوں؟ ''حضرت نے فرمایا'' **نعم وان کان طواف فریضة** ''ہاں اگرچہ طواف واجب ہو'' یہاں تک کہ حضرت نے فرمایا۔ **لقضآ حاجة المومن خیر من طواف و طواف حتی عشر اسابیع** ''یقین جانو کہ ایک برادر مومن کی ضرورت کے وقت کام آنا بہتر ہے ایک طواف اور دو طواف یہاں تک کہ ستر طوافوں سے۔ (وسائل الشیعہ ج ۲، ص ۳۱۸)

یہ تعاون باہمی اور اتحاد و یک جہتی کی تعلیم ہے، جس پر اجتماع و تمدن کی بنیادیں قائم ہیں اور یہ تعاون پیدا ہوتا ہے ہمدردی اور غم خواری کے جذبات سے، دوسروں کے درد کے احساس اور اس درد کے ساتھ تاثر سے۔ اور یہ دردِ غیر کا احساس اور اس درد کے ساتھ تاثر رقت قلب کا نتیجہ ہوتا ہے سخت دل انسان کو کبھی دوسرے کے درد اور اذیت سے پیدا نہ ہوگا۔ اور اس لئے کبھی وہ ہمدردی و غمخواری بھی نہیں کرسکتا۔ اس کے لئے واقعۂ کربلا کی یاد۔۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۲۷ پر۔۔۔۔۔)

نے مردوں میں، بے جان مسلمانوں میں، جان ڈال دی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہادت حسینؑ کے بعد بنی امیہ کی ایک رات بھی سکون سے بسر نہ ہوئی۔ کبھی مدینے میں تلوار بلند ہوگئی، کبھی مکے میں، کبھی عراق میں، کبھی حجاز میں۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا جب فراعنۂ بنی امیہ کی بوسیدہ ہڈیوں کو بھی قبروں سے نکال نکال کے جلا دیا گیا۔ یہ شہادت حسینؑ ہی کا اثر تھا کہ دلوں سے مرعوبیت ختم ہوگئی اور نہتے عوام نے ایک ظالم وجابر حکومت کا تختہ الٹ دیا اور شام سے بنی امیہ کا تخت یوں اکھڑا کہ قبریں بھی سالم نہ رہ سکیں۔

چراغ امامت ایک ہی تھا، ہاتھ بدل رہے تھے۔ کبھی یہی چراغ حسنؑ کے ہاتھ میں تھا، کبھی حسینؑ کے ہاتھ میں۔ حسنؑ کے ہاتھ میں یہ چراغ آیا تو حسنؑ نے اسے باطل کے چہرے کے سامنے لاکر باطل کے بھیانک چہرے کو نمایاں کر دیا۔ حسینؑ کے ہاتھ میں یہی چراغ آیا تو حسینؑ نے اسی چراغ سے باطل کے خرمن میں آگ لگا دی۔ اور پھر اسی چراغ سے صدیوں بعد ایک قوم نے اپنے ایمان کے چراغ کو روشن کر لیا۔ وہ اپنے اس ایمانی چراغ سے، جس کی لو چراغ امامت سے ملی ہوئی ہے، ایک طرف باطل کو پہچان بھی رہی ہے، رہی سہی دوسری طرف باطل کے خرمن میں آگ بھی لگا رہی ہے۔

۶۱ھ میں چراغ امامت نے کوفہ ودمشق کو راکھ بنا دیا تھا، ایرانیوں کے ایمان کے چراغ نے امام عصرؑ کے سائے میں اور نائب امام کی سربراہی میں واشنگٹن، تل ابیب، بغداد، ریاض اور عمان میں آگ لگا دی ہے۔

خدا وہ وقت جلد لائے جب ہم بھی اپنے ایمان کے بجھتے ہوئے چراغ کو ایک مرتبہ پھر انہیں چراغوں سے روشن کر لیں تاکہ ہم میں حق وباطل کی تمیز کی قوت بھی پیدا ہو جائے۔ اور باطل سے مورچہ لینے کی ہمت بھی۔

❁❁❁

(نگارشات بقیہ صفحہ ۲۰ رکا۔۔۔)

سے زیادہ موثر کوئی ذریعہ نہیں، اس پر آہ وبکا اور رنج وغم قومی مزاج میں ہمدردی، غم خواری اور دوسرے کی مصیبت سے متاثر ہونے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ جس کی گواہی مشاہدہ بھی دیتا ہے کہ حسینیت سے بیگانہ جماعتیں جذبۂ انتقام کے پیدا ہونے کے بعد جس بہیمت وشقاوت پر اتر آتی ہیں اور ظلم وتشدد میں جن نقاط تک پہنچ جاتی ہیں عزائے حسینؑ کے خوگر افراد وہاں تک عملی طور پر پہنچنا کیسا، اسے سوچ بھی نہیں سکتے اور وہ ہمیشہ ایسے وحشیانہ مظالم سے علیحدہ رہتے ہیں خواہ وہ کسی کے بھی ساتھ ہوں۔ یہ عزائے امام حسینؑ کا وہ فیض ہے جو تہذیب وتمدن اجتماعی کی تعمیر کے لئے عظیم افادیت کا حامل ہے۔

❁❁❁

[ماخوذ از پیام عمل، امامیہ مشن لاہور، پاکستان، نومبر ۱۹۵۹ء]

(صفحہ ۲۲ رکا بقیہ: کیا نماز شاہ تھی۔۔۔۔۔)

دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ

میرے خیال میں پیشانی جھکنے کی قید سر جھکنے کے لئے درست نہیں بلکہ وہ سر جو ہر لمحے اور ہر آن بارگاہ احدیت میں جھکا ہوا تھا اس کا اظہار تھا سجدے میں خون آلود پیشانی کا جھکا دینا۔ بارگاہ الٰہی میں دل کا جھکنا کوئی آنی اور لمحاتی واقعہ نہیں۔ اس کو تو ہر آن وہر لمحے اللہ کے سامنے خم رہنا چاہئے۔

❁❁❁

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ، خامس آل عبا نمبر، محرم وصفر ۱۴۰۴ھ/اکتوبر نومبر ۱۹۸۳ء)